الرسالة الاولى في الغيبة

تأليف

الامام الشيخ المفيد محمد بن محمد بن النعمان ابن المعلم ابي عبدالله، العكبري، البغدادي (336-413ه)

تحقيق

علاء آل جعفر

غیبت کے بارے میں پہلا رسالہ

تالیف: امام شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان ابن المعلم ابو عبداللہ، العکبری، البغدادی (336-413ہجری)

تحقیق: علاء آل جعفر

"من مات وهو لا يعرف إمام زمانه مات ميتة جاهلية"

"جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانتا ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے"

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ حدیث امت کے درمیان اپنی صحت اور قبولیت کے بارے میں متفق علیہ ہے۔

شیخ مفید نے اس کے بارے میں فرمایا: یہ صحیح خبر ہے جس پر اہلِ آثار کا اجماع گواہی دیتا ہے۔

اور اپنی کتاب الافصاح میں فرمایا: یہ متواتر خبر ہے۔

اسے تمام بڑے اسلامی مذاہب کے علما نے روایت کیا ہے: شیعہ امامیہ، زیدیہ، اور اہل سنت۔

اور اس کی سند کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، اسی لیے شیخ نے اس کے سلسلے میں زیادہ تفصیل نہیں کی، بلکہ اس کے معنی اور مفہوم پر گفتگو کی ہے۔

انہوں نے سب سے پہلے ذکر کیا کہ قرآن مجید اس کے معنی کی صاف آیات میں گواہی دیتا ہے:

ان میں سے ایک فرمانِ الٰہی ہے:

يوم ندعوا كل أناس بإمامهم

"جس دن ہم ہر گروہ کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے"۔[1]

اور ایک اور آیت ہے:

فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا

---

[1] الاسراء:71

"پس کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے"۔[2]

اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اگر اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا، یعنی اسلام کی ملت پر نہیں مرے گا۔

پس امام سے جہالت انسان کو اسلام سے خارج کر دیتی ہے" جیسا کہ مفید نے الافصاح (صفحہ 28) میں فرمایا۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہر زمانے اور ہر دور میں ایک امام موجود ہو، اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے زمانے کے امام کو پہچانے، ورنہ وہ کفر اور گمراہی کی جاہلیت کی موت مرے گا۔

شیعہ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ ان کے نزدیک زمانے کے امام اور صاحبِ عصر حضرت محمد بن حسن عسکری علیہ السلام ہیں، اور وہی مہدی ہیں جن کے ظہور کا آخری زمانے میں انتظار ہے۔

وہ یقین رکھتے ہیں کہ امام اپنی ولادت کے کچھ عرصے بعد غائب ہو گئے تھے، اور وہ ان کی غیبت پر ایمان رکھتے ہیں۔

بعض مخالفین نے اس عقیدے پر اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث کے مفہوم سے متصادم ہے، اور انہوں نے یہ تصور کیا کہ امام کی غیبت اس کی معرفت کے منافی ہے، کیونکہ امام کا موجود ہونا لازمی طور پر اس کے مقام کی معرفت، اس سے رابطے اور اس سے استفادہ کے تقاضے کرتا ہے۔

اس پر متعدد اعتراضات پیش کیے گئے:

1۔اس نے غیبت پر یہ اعتراض کیا کہ:

اگر یہ خبر صحیح ہے تو پھر شیعوں کا اپنے اس زمانے کے امام کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ وہ غائب ہیں، سب سے پوشیدہ ہیں، کوئی ان سے متصل نہیں ہوتا، اور کوئی ان کے مقام و مستقر کو نہیں جانتا؟

اور شیخ مفید نے اس کا جواب یہ دیا کہ:

---

[2] النساء:41

خبر کا مدلول یہ ہے کہ "امام کا وجود لازمی ہے اور مسلمان پر اس کی معرفت لازم ہے" اور اس میں "امام کا ظاہر ہونا اور اس کا غائب نہ ہونا واجب ہے" یہ بات شامل نہیں، لہٰذا غیبت پر ایمان رکھنا اس خبر کے مدلول کے منافی نہیں ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ وجود اور معرفت اس بات کو لازم نہیں کرتے جو اعتراض میں ذکر کی گئی یعنی اتصال اور مقام کے علم کو، کیونکہ کسی چیز کی معرفت اس کی مشاہدہ اور اس کے پاس حاضر ہونے پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ ہم بہت سی چیزوں کو جانتے ہیں جنہیں ہم نے نہ دیکھا ہے نہ ان کے پاس حاضر ہوئے ہیں، جیسے وہ امور اور واقعات جو گزر چکے ہیں اور ہم نے انہیں جان لیا اور ان کے بارے میں ہمیں علم حاصل ہوا، اسی طرح ہم کچھ چیزوں اور امور کو جانتے ہیں جو آئندہ پیش آئیں گے، بغیر اس کے کہ ہم ان سے متصل ہوں، جیسے قیامت، حشر اور نشر کا دن۔

پھر کبھی مصلحت صرف کسی چیز یا شخص کو جاننے میں ہوتی ہے، نہ کہ اس کے مشاہدہ یا اس کے مقام یا اس سے اتصال میں۔

2۔ اور اس نے غیبت پر یہ اعتراض کیا کہ:

امام کو محض جاننے میں، جبکہ اس سے کوئی اتصال نہ ہو، کیا مصلحت ہے؟

اور شیخ مفید نے جواب دیا کہ

خود ہمارے لیے اس کے وجود، اس کی امامت، اس کی عصمت، اس کے فضل اور کمال کو جاننا مفید ہے، کیونکہ اس معرفت سے ہم ثواب اور اجر حاصل کرتے ہیں، کیونکہ ہم اس سلسلے میں اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہیں، اور اس کے جاہل ہونے پر جس عذاب کی وعید کی گئی ہے، اس سے ہم بچ جاتے ہیں۔ پھر ہمارا اس کے ظہور کا انتظار کرنا ایک عبادت ہے جس پر ہمیں ثواب ملتا ہے اور جس سے ہم اپنے آپ کو عذاب سے بچاتے ہیں۔

پھر ہم اس عقیدہ کے ذریعے ایک الٰہی فریضہ ادا کرتے ہیں جو اللہ نے ہم پر فرض کیا ہے۔

3۔ پھر مخالف نے ایک سوال فرض کیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

اگر امام غائب ہیں اور ان کا مقام نامعلوم ہے تو مکلف کیا کرے گا اور جو شخص پیش آنے والے واقعات میں مبتلا ہو، وہ کس پر اعتماد کرے، جب کہ ان کے احکام کو نہ جانتا ہو؟!

اور جھگڑنے والے لوگ کس کی طرف رجوع کریں؟!

حالانکہ ان امور میں رجوع تو امام ہی کی طرف ہونا چاہیے، جو ان کے لیے مقرر کیے گئے ہیں!

اور شیخ مفید نے جواب دیا:

1۔**اولاً:** یہ سوال حدیث "من مات..." کے موضوعِ بحث سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ ایک نیا سوال ہے اور نیا بحث کا آغاز ہے۔

پس اس اشارے سے انہوں نے معترض کے اس فعل کی مخالفت ظاہر کی کہ اس نے اس سوال کو پیش کر کے تحقیق اور مناظرہ کے اصولوں کی خلاف ورزی کی، کیونکہ اس نے ایک غیر متعلق سوال کو بحث کے درمیان داخل کر دیا جبکہ ابھی اس پر گفتگو مکمل بھی نہ ہوئی تھی!

اور اس کے باوجود شیخ نے اس سوال کا جواب نہایت ادب و صبر کے ساتھ دیا۔

2۔**ثانیاً:** امام کے فرائض ـــ جن کے لیے اسے مقرر کیا گیا ہے ـــ بہت زیادہ ہیں:

- ان میں سے ایک یہ ہے کہ جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کرے۔
- اور ایک یہ کہ مکلفین کے لیے احکامِ شرعیہ کو بیان کرے۔
- اور اس کے علاوہ دیگر امور بھی ہیں جو دین و دنیا کے مصالح سے متعلق ہیں۔
- لیکن امام پر ان تمام امور کو انجام دینا اس وقت واجب ہوتا ہے جب اسے اپنی بات نافذ کرنے کی قدرت و استطاعت حاصل ہو، اور اختیار میسر ہو۔
- اور امام پر کوئی ایسا کام واجب نہیں جو وہ انجام دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اور اضطرار کی حالت میں ایثار کرنا بھی اس پر واجب نہیں۔

3۔ثالثاً: جب امام تقیہ اور اضطرار کے حالات میں ہو تو یہ نہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، نہ خود امام کا، اور نہ ہی اس کے مومن شیعوں کا۔

بلکہ یہ ان ظالموں کا فعل ہے، جو اس کے دشمن اور خلافت و حکومت پر غاصب ہیں، جنہوں نے اس کا خون مباح قرار دیا، اس کے نسب کا انکار کیا، اس کے حق کو جھٹلایا، اور ایسے دیگر اعمال کیے جن کی وجہ سے اس کا ظہور رکا رہا۔

پس غیبت کے نتیجے میں جو افسوسناک نتائج ظاہر ہوئے، جیسے احکام کا ضائع ہونا، حدود کا معطل ہونا، مصالح کا تاخیر میں پڑنا، اور مفاسد کا ظاہر ہونا—ان تمام نقصانات کی ذمہ داری انہی ظالم دشمنوں کے سر ہے۔

امام اور مومنین ان سب باتوں سے بری ہیں، لہٰذا ان سے اس بارے میں باز پُرس نہیں ہو گی!

اور جو شخص پیش آمدہ واقعات میں مبتلا ہو، اس پر واجب ہے کہ وہ شیعہ فقہاء میں سے علماء کی طرف رجوع کرے، تاکہ ان کے ذریعے شریعت کے وہ احکام جانے جو ان کے پاس امانت کے طور پر محفوظ ہیں۔

اور جب احکام کے لیے کوئی مرجع موجود نہ ہو، یا اس مسئلے کے بارے میں نص موجود نہ ہو جس میں وہ مبتلا ہے، تو اس صورت میں مرجع "حکمِ عقل" ہو گا، اس وضاحت کے ساتھ کہ اگر اس موقع پر کوئی سمعی (شرعی) حکم ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے ساتھ عبادت کا حکم دیتا، یعنی اسے پہنچاتا اور ظاہر کرتا۔

پس جب اس پر کوئی دلیل نہیں، تو یہ عدمِ حکمِ شرعیِ خاص کی دلیل ہے، بلکہ مرجع "حکمِ عقل" ہی ہے۔

اسی طرح جو متخاصمین ہوں، وہ بھی شارع سے وارد احکام کی طرف رجوع کرتے ہیں، یعنی شیعہ فقہاء کی طرف رجوع کر کے، اور جب نص نہ ہو تو مرجع عرف میں مقبول عقلی احکام ہوں گے۔

اور وہ حادثہ (نیا پیش آمدہ امر) جس کے بارے میں سمعاً اس کی اباحت یا حرمت معلوم نہ ہو، تو وہ "اصلِ اباحت" پر ہو گا۔

اور اسی طرح کا اعتراض اور بعینہٖ یہی جواب شیخ صدوق نے بھی اپنی کتاب **"اکمال الدین "** کے مقدمے (صفحہ 81) میں ذکر کیا ہے۔

4۔ اور آخر میں یہ اعتراض کیا گیا کہ:

جب امت کے لیے دین پر عمل کرنے میں نصوص، اجتہاد، عقل کے احکام اور اصولوں پر اعتماد کرنا ممکن ہے تو پھر وہ امام سے بے نیاز ہے اور اس کی ضرورت نہیں۔ تو پھر غیبت کے زمانے میں امام کے وجود پر التزام کیوں کیا جائے؟

شیخ مفید نے اس کا جواب یہ دیا کہ

امام کی ضرورت ہر حال میں باقی ہے، چاہے وہ غائب ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا حاضر نہ ہونا یا اس سے براہِ راست رابطہ نہ ہونا، اس کے وجود سے بے نیازی کا باعث نہیں بنتا، بالکل اسی طرح جیسے مریض کے پاس دوا موجود نہ ہونے کے باوجود وہ دوا سے بے نیاز نہیں ہوتا، اور جس کے پاس راہنمائی کرنے والا دلیل موجود نہ ہو، وہ بھی اس سے بے نیاز نہیں بلکہ اس کا محتاج ہوتا ہے، چاہے وہ فی الحال اس کے پاس موجود نہ ہو۔

پھر اگر غیبت کے وقت امام سے بے نیازی کو تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ انبیاء کی غیبت کے دوران بھی ان کی ضرورت نہ مانی جائے، جیسے نبی اکرم ﷺ کی غیبت "شعبِ ابی طالب" میں تین سال تک رہی، اور غار میں چند دن کی غیبت رہی، اور حضرت موسیٰؑ کی غیبت میقات کے دوران، اور حضرت یونسؑ کی غیبت مچھلی کے پیٹ میں۔

اور یہ ایسی بات ہے جسے کوئی مسلمان تسلیم نہیں کرتا، بلکہ کوئی بھی آسمانی دین پر ایمان رکھنے والا شخص اس کو نہیں مانتا۔

یہ اعتراض إكمال الدين (صفحہ 81) میں بھی ذکر ہوا ہے، لیکن شیخ مفید کا جواب ہی مکمل اور کافی ہے۔

شیخ نے تیسرے اعتراض کے جواب میں ایک اہم نکتہ ذکر کیا ہے:

اور وہ یہ کہ تمام مخالفین احکامِ شریعت میں اجتہاد کے قائل ہیں، اور رسولِ خدا ﷺ کے زمانے کے فوراً بعد (یعنی سنہ 11 ہجری کے بعد) انہوں نے اجتہاد کا سہارا لیا۔

جبکہ ہم اجتہاد کو ائمہ علیہم السلام کے ظہور کے زمانے کے بعد، خاص طور پر غیبتِ صغریٰ (سنہ 329 ہجری) کے بعد قبول کرتے ہیں۔

پس ہمارا حال غیبت کے زمانے میں وہی ہے جو ان کا حال رسولِ خدا ﷺ کے بعد کے زمانے میں تھا، تو پھر وہ ہم پر احکام کے مسئلے میں اعتراض کیوں کرتے ہیں؟

اور اگرچہ ہم نے مجبوری کے تحت، غیبت کی وجہ سے، اس طریقے سے اجتہاد کا سہارا لیا ہے، مگر اس کے باوجود ہم اپنے زمانے کے امام کے وجود کے قائل ہیں، جنہیں ہم شخصاً، ناماً اور صفتاً پہچانتے ہیں۔

پس ہم اس روایت پر عمل کر رہے ہیں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہے، اور جہالت و جاہلیت کی موت سے دور ہیں۔

لیکن مخالفین، چاہے وہ شریعت کی شاخوں کے بارے میں کتنی ہی کوشش کریں، ان کا اس متفق علیہ اور واضح مفہوم رکھنے والی حدیث کے حوالے سے کیا موقف ہے؟

وہ اپنے دین میں کس کی اقتدا کرتے ہیں؟ اور ان کے زمانے اور دور میں ان پر "امام" کون ہے؟

اور اگر وہ کسی "امام" کو نہیں جانتے تو پھر حدیث کے مطابق، کس طرح کی موت مرتے ہیں؟

تحریر

سید محمد رضا الحسینی الجلالی

بسم الله الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اور اس کی درود و سلام اس کے ان بندوں پر جو اس نے چن لیے۔

اس کے بعد:

ایک سائل نے سوال کیا اور کہا:

مجھے بتائیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے جو روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

من مات وهو لا يعرف إمام زمانه مات ميتة جاهلية

جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانتا ہو، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔[3]

کیا یہ حدیث ثابت اور صحیح ہے یا کمزور اور ناقص؟

جواب—اور اللہ ہی سے توفیق اور بھروسہ ہے—

---

[3] یہ حدیث متواتر اور مشہور ہے، اور اسے دونوں فریقوں (شیعہ و سنی) کے مصادر نے روایت کیا ہے، اگرچہ اس کے الفاظ میں کچھ معمولی فرق واقع ہوا ہے۔

ہمارے مصادر میں دیکھو:

الكافي 1: 377 / 3،
المحاسن: 153 / 78 و 154 / 85 و 155 / 82.
عيون اخبار الرضا عليه السلام 2: 58 / 214.
اكمال الدين: 413 / 15.
عقاب الاعمال: 244 / 1.
غيبة النعماني: 130 / 6.
رجال الكشي 2: 724 / 799.
الاختصاص: 269.

اور عامہ (اہل سنت) کے مصادر میں بھی:

مسند ابي داود الطيالسي: 259 / 1913.
حلية الاولياء 3: 224.
هامش مستدرك الحاكم (للذهبي) 1: 77.
شرح نهج البلاغة لابن ابي الحديد المعتزلي 9: 155.
ينابيع المودة: 117.
المعجم الكبير لطبراني 10: 350 / 10687.
مجمع الزوائد 5: 224.

اسے کہا گیا:

بلکہ یہ خبر صحیح ہے، اہلِ آثار کے اجماع اس کی گواہی دیتے ہیں اور اس کے معنیٰ کو قرآنِ مجید کا صریح بیان تقویت دیتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

(يوم ندعو كل أناس بإمامهم فمن أوتي كتابه بيمينه فأولئك يقرءون كتابهم ولا يظلمون فتيلا) (الإسراء 17:71)

جس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے، پھر جنہیں ان کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنا نامہ پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا

اور اس کا قول تعالیٰ ہے:

(فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا) (النساء 4:41)

تو کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور اے نبی! ہم تمہیں ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے

اور قرآن میں اس طرح کی آیات بہت ہیں۔

اگر کوئی کہے:

جب یہ خبر صحیح ہے تو آپ کا یہ کہنا کیسے درست ہے کہ اس زمانے کے امام غائب ہیں، لوگوں پر مخفی ہیں، ان تک سب کی رسائی ممکن نہیں اور ان کے مقام کا کسی کو علم نہیں؟

تو جواب دیا جائے گا:

امام کی معرفت اور ان کی ان تمام حالتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں، کیونکہ دنیا میں ان کے وجود کا علم رکھنے کے لیے ان کے مشاہدے کا علم ضروری نہیں، جیسا کہ ہم ان چیزوں کو جانتے ہیں جن کا ادراک کسی بھی حواس سے ممکن نہیں، چہ جائیکہ ان کا

جن کا ادراک ممکن ہے، اور ہم ان چیزوں کا علم رکھتے ہیں جن کا کوئی مکان نہیں، چہ جائیکہ ان کا جو اپنے مکان میں پوشیدہ ہیں۔ ہم معدوم، ماضی اور منتظر کے بارے میں علم حاصل کرتے ہیں، چہ جائیکہ اس کے جو چھپا ہوا اور پردے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے گذشتہ انبیاء کو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی بعثت کی بشارت دی تھی اس سے پہلے کہ وہ دنیا میں ظاہر ہوں۔ چنانچہ فرمایا:

وإذ أخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاءكم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به ولتنصرنه قال أأقررتم وأخذتم على ذلكم إصري قالوا أقررنا قال فاشهدوا وأنا معكم من الشاهدين (آل عمران 3:81)

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس موجود (کتاب) کی تصدیق کرے، تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد لیا؟ انہوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: پس گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں

اور فرمایا:

النبي الأمي الذي يجدونه مكتوبا عندهم في التوراة والإنجيل (الأعراف 7:157)

وہ نبی امی جنہیں وہ اپنی تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

پس ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ اللہ کی پہلی کتابوں میں لکھا ہوا اور مذکور تھا، اور اللہ نے پچھلی امتوں پر ان کی معرفت، ان پر ایمان اور ان کے انتظار کو لازم قرار دیا، حالانکہ وہ اپنے آباء کے صلب میں ایک امانت کی طرح موجود تھے اور ابھی دنیا میں ظاہر نہیں ہوئے تھے۔

اور ہم آج قیامت، بعث اور حساب کو جانتے ہیں، حالانکہ وہ ابھی واقع نہیں ہوئے اور موجود نہیں ہیں۔

ہم آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو جانتے ہیں، حالانکہ نہ ہم نے انہیں دیکھا ہے اور نہ ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے ان کا مشاہدہ کیا۔

ہم جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام کو بھی جانتے ہیں، حالانکہ ہم ان کی صورتوں یا ان کے مقامات سے واقف نہیں۔

اللہ نے ہم پر ان کی معرفت اور ان پر ایمان کو فرض کیا ہے، اگرچہ ہم ان تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ (کسی شخص کی معرفت بذاتِ خود مصالح میں سے ہے اور اس کا دارومدار مشاہدہ کے وجود پر نہیں ہے)، اور وہ معروف ہے حالانکہ اس کا ٹھکانا معلوم نہیں اور نہ ہی اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہے، اور یہ بات اس کے لیے ظاہر ہے جو غور کرے۔

اگر کوئی کہے:

پھر جب ہم اس سے براہِ راست فائدہ نہیں اٹھا سکتے تو اس کی معرفت ہمیں کیا فائدہ دیتی ہے؟

تو جواب یہ ہے:

خود اس کے وجود، امامت، عصمت اور کمال کی معرفت ہمارے لیے ثواب کے حصول کا ذریعہ ہے، اور اس کے ظہور کا انتظار ہمارے لیے عبادت ہے جس سے ہم بڑے عذاب سے بچتے ہیں اور اس طرح ہم ایک فریضہ ادا کرتے ہیں جس کا حکم ہمیں ہمارے ربّ -جو گردنوں (زندگیوں) کا مالک ہے- نے دیا ہے۔

جس طرح انبیاء اور ملائکہ کی معرفت ہمارے لیے فائدے اور اجر و ثواب کے لیے ہے، اگرچہ ہر حال میں ان کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح پچھلی امتوں کے لیے ہمارے نبی کی معرفت ان کے ظہور سے پہلے سب سے اہم فرائض میں سے تھی تاکہ وہ اپنے فائدے حاصل کریں۔

اور اللہ جل شانہ کی معرفت تمام فرائض کی اصل ہے، حالانکہ وہ اس سے بہت بلند ہے کہ کسی بھی حواس سے اس کا ادراک کیا جا سکے۔

اگر وہ کہے:

جب تمہارے نزدیک امام غائب ہے اور اس کا مقام معلوم نہیں، تو راہ طلب کرنے والا کیا کرے؟ اور جس پر کوئی نیا واقعہ پیش آئے جس کا حکم وہ نہیں جانتا، وہ کس پر اعتماد کرے؟ اور جھگڑنے والے کس کی طرف رجوع کریں، خصوصاً جب کہ امام تو اسی مقصد کے لیے مقرر کیا گیا ہے جس کی ہم نے صفت بیان کی؟

تو اس سے کہا جائے گا:

یہ سوال نیا ہے، اس کا پچھلی بات سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس کے ساتھ کوئی ربط ہے۔ اور پہلا سوال جو خبر کے معنی اور معرفت کے فرض ہونے کے بارے میں تھا، وہ اپنی ترتیب کے ساتھ گزر چکا ہے اور اس کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔

اور ہم اس نئے سوال کا مختصر جواب دیتے ہیں جو معنی کی تکمیل میں خلل نہ ڈالے، منقول ہے، اور توفیق خدا ہی سے ہے:

بے شک امام کو بہت سے امور کے لیے مقرر کیا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

دوسرا: راہِ طلب کرنے والوں کے لیے حکم کا بیان۔

اور اللہ نے امام کو ان دونوں (دنیا اور دین کے مصالح) کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے مقرر نہیں کیا، لیکن امام پر وہی ذمہ داری لازم ہے جو اس کے دائرۂ تقویٰ اور اختیار میں ہو، اور اس پر وہ کام واجب نہیں جو اس کی قدرت سے باہر ہو، اور نہ ہی اس پر مجبوری کی حالت میں ایثار کرنا لازم ہے۔ امام کو تقیہ کے معاملے میں نہ تو اللہ عزوجل کی طرف سے کوئی کمی پیش آئی، نہ ہی اپنی ذات اور اپنے مومن دوستوں کی طرف سے، بلکہ یہ سب ظلم کرنے والوں کی طرف سے ہوا جنہوں نے اس کا خون حلال ٹھہرایا، اس کی نسبت کا انکار کیا، اس کے حق کو جھٹلایا، اور عام لوگوں کو اس کی عداوت اور اس کی امامت کے قائلین کی دشمنی پر اُبھارا۔

اور جو احکام ضائع ہوئے، حدود معطل ہوئیں، اور مصالح فوت ہوئے، ان سب کی مصیبت ظالموں پر عائد ہے، اور امامِ انام ان سب سے اور تمام مومنین ان سے بری ہیں۔

پس جو شخص کسی نئے پیش آنے والے مسئلے میں مبتلا ہو، جس کے بارے میں حکم جاننا ضروری ہو، تو اس پر واجب ہے کہ وہ امام کے شیعہ علماء کی طرف رجوع کرے، اور ان سے وہ حکم حاصل کرے جو انہوں نے اپنے سے پہلے گزرے ہوئے ائمہ ہدیٰ سے امانت کے طور پر حاصل کیا ہے۔

اور اگر — اللہ کی پناہ — وہ علم نہ مل سکے، اور اس بارے میں کوئی منصوص شرعی حکم بھی موجود نہ ہو، تو جان لینا چاہیے کہ اس کا فیصلہ عقل کے حکم پر مبنی ہے، کیونکہ اگر اللہ چاہتا کہ اس میں کوئی شرعی (سماعی) حکم سے عبادت کا پہلو ہوتا تو وہ ضرور بیان فرماتا، اور اگر وہ بیان کرتا تو اس تک پہنچنے کا راستہ آسان کر دیتا۔

اسی طرح اختلاف رکھنے والوں کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے اختلاف کو کتابِ اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی طرف لوٹائیں، جو ان تک رسول اللہ ﷺ کے ہدایت یافتہ خلفاء میں سے اس کی پاکیزہ عترت کے ذریعے پہنچی ہے، اور اس معرفت میں انہیں شیعہ علماء اور فقہاء کی مدد لینی چاہیے۔

اور اگر — اللہ کی پناہ — وہ اپنے اختلاف والے مسئلے میں کوئی واضح شرعی نص نہ پائیں، تو جان لینا چاہیے کہ یہ معاملہ عقل کے دائرے میں آتا ہے اور عقل کے احکام کے مفہوم میں سے ہے۔

جیسے: اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا مال غصب کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسی چیز کو بعینہٖ واپس کرے اگر وہ چیز موجود ہو، اور اگر وہ چیز باقی نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس کا بدل اسی کے مثل دے، اور اگر اس کا مثل بھی نہ ہو تو اپنے مظلوم فریق کو ایسی صورت میں راضی کرے کہ اس کی ظلمت زائل ہو جائے۔

اور اگر وہ ایسا کرنے پر قادر نہ ہو یا اختیاراً نہ کرے تو وہ حق اس کے ذمہ قیامت کے دن تک باقی رہے گا۔

اور اگر کوئی مجرم کسی دوسرے پر ایسی چوٹ کرے جس کا ازالہ ممکن نہ ہو، تو وہ اس کے ذمہ ہے، اور جس پر ظلم ہوا وہ صبر میں آزمایا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ روزِ حساب اس کے حق میں انصاف کرے۔

اور اگر کوئی حادثہ ایسا ہو جس کی اجازت یا حرمت کے بارے میں سماعی دلیل نہ ہو، تو وہ اصل میں مباح ہے، جب تک کوئی سماعی دلیل اس کی حرمت پر قائم نہ ہو۔

یہ سب کچھ جو ہم نے بیان کیا ہے، صرف اس صورت میں مکلف کے لیے جائز ہے کہ وہ ضرورت کے وقت، امامِ مرشد کے فقدان میں اس پر اعتماد کرے اور اس کی طرف رجوع کرے۔

اور اگر امام ظاہر ہوتا تو کسی کے لیے جائز نہ ہوتا کہ وہ امام کے سوا کسی اور کی طرف رجوع کرے، بلکہ امام ہی کے قول پر عمل کرتا۔

یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے ہمارے مخالفین کا اجماع ہے کہ نبی ﷺ کے بعد لوگوں پر ان کے نئے پیش آنے والے مسائل میں، جب ان پر کوئی نص موجود نہ ہو، اجتہاد واجب ہے، لیکن نبی ﷺ کی موجودگی میں ان کے لیے اجتہاد اور رائے کا استعمال جائز نہیں۔

پس اگر کوئی کہے:

جب تمہاری عبادت امام کی غیبت میں اسی طرح مکمل ہوتی ہے جس طرح تم نے بیان کیا ہے، تو تمہیں امام کی حاجت باقی نہیں رہی۔

تو اس سے کہا جائے گا:

بات تمہاری گمان کے برخلاف ہے، کیونکہ کسی چیز کی حاجت اس کے فقدان کے باوجود باقی رہتی ہے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو فقیر محتاج نہ ہوتا جب کہ مال اس کے پاس نہ ہو، مریض دوا کا محتاج نہ ہوتا جب کہ دوا دستیاب نہ ہو، جاہل علم کا محتاج نہ ہوتا جب کہ اس تک رسائی نہ ہو، اور متحیر دلیل کا محتاج نہ ہوتا جب کہ اسے دلیل نہ ملے۔

اگر تمہارا یہ دعویٰ لازم ہوتا تو تمام مسلمانوں پر یہ کہنا واجب ہوتا کہ لوگ نبی ﷺ کی غیبت کے وقت، جب وہ ہجرت کے موقع پر غار میں تھے، ان سے بے نیاز ہو گئے تھے، یا جب آپ ﷺ شعبِ ابی طالب میں چھپے ہوئے تھے، تب بھی لوگ آپ سے بے نیاز تھے۔

اسی طرح (قومِ موسیٰ علیہ السلام ان سے) ان کی غیبت کے وقت جب وہ اپنے رب کے میقات کے لیے گئے تھے، بے نیاز تھی، اور (یونس علیہ السلام کے اصحاب بھی) ان سے بے نیاز تھے جب وہ ناراض ہو کر گئے اور مچھلی نے انہیں نگل لیا اور وہ ملامت زدہ تھے۔

یہ ایسی بات ہے جسے کوئی مسلمان یا عاقل تسلیم نہیں کرتا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ مخالفین کا گمان اور ان کا وہم باطل ہے، جو انہوں نے محض ظن و تخمین سے قائم کیا۔

اور توفیق اللہ کی جانب سے ہے۔